اقبال کا نظریۂ اسلامی ثقافت

ڈاکٹر شگفتہ حسین، صدر شعبۂ اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج برائے خواتین، ملتان

Abstract

"The reconstruction of Religious Thought in Islam" are lectures by Allama Iqbal. In these lectures he had adressed the basic challenges faced by Muslims of Indian Sub-continent and Muslim Ummah in the background of Islam and its relationship with the West-Iqbal could see the effect of Western civilization on the cultural life of Muslims. So in his lectures about Muslim culture and ljtihad he rejected Greek Philosphy, and apprecated Ibn-e-Khaldoon for his evolutionary ideas. For Iqbal religion is the supreme force, more than some blind belief and where as Islam is concerned he believes that as a cultural movement Islam rejects the old static view of the universe, and reaches a dynamic view.

تہذیب اور ثقافت کو عام طور پر ایک ہی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یوں بھی اپنی ماہیت کے اعتبار سے دونوں تخلیقی ہیں، دونوں میں مشابہت کا رشتہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ تہذیب اپنے دائرہ کار میں وسعت رکھتی ہے یہ کُل بنی نوع انسان کے لیے ہے جبکہ ثقافت کا دائرہ کار محدود ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی دونوں کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ لغوی اعتبار سے لفظ تہذیب اور ثقافت ان معنی میں استعمال ہوتے ہیں کہ لفظ تہذیب کا زور خارجی چیزوں اور طرزِ عمل کے اس اظہار پر ہے جس میں خوش اخلاقی اور اطوار وغیرہ شامل ہیں جبکہ لفظ ثقافت کا زور ذہنی صفات پر ہے جن میں علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنا اور ترقی دینا شامل ہیں۔[۱] انتھراپولوجسٹ ایڈورڈ برنیٹ ٹیلر ثقافت کو ایک ایسا مرکب کُل قرار دیتا ہے کہ جس میں علم، فن، عقیدہ، قانون، رسم و رواج اور تمام ایسی عادتیں شامل ہیں جن کا اکتساب کوئی شخص معاشرے کے فرد کی حیثیت سے کرتا ہے۔[۲] زوار حسین کا کہنا ہے کہ تہذیب کے کچھ ایسے قوانین ہیں جو فطرت کے قوانین سے مشابہ ہیں لیکن جہاں فطرت ختم ہوتی ہے وہاں سے انسان اور انسان سے تہذیب شروع ہوتی ہے اور یہ بھی کہ تہذیب کبھی مرتی نہیں کمزور ہو کر کسی دوسری مضبوط تہذیب میں تحلیل ہو جاتی ہے۔[۳] جبکہ سبطِ حسن کی رائے میں کسی معاشرے کی بامقصد تخلیقات اور سماجی اقدار کے نظام کو تہذیب کہتے ہیں۔[۴]

تہذیب وثقافت کی جو بھی تعریف کی جائے اس سے انکار ممکن نہیں کہ دُنیا کی ہر چھوٹی بڑی قوم کی اپنی تہذیبی و ثقافتی شناخت ضرور ہے۔ شاید اسی لیے جس طرح ہندوستان میں رہتے ہوئے بھی انگریزوں کو ہمیشہ یہ احساس رہا کہ وہ ہندوستانیوں سے مختلف قوم ہیں اسی طرح ہندوؤں کے ساتھ ہزار سالہ روابط کے باوجود مسلمان بھی اسی احساس میں مبتلا رہے کہ ایک قوم کی

حیثیت سے ان کی اپنی ثقافتی پہچان ہے۔

گو ماہر بشریات عقیدے یا مذہب کو ثقافت کا ایک جزو قرار دیتے ہیں اسے تہذیب کا کُل نہیں جانتے لیکن ہندوستان میں سب سے پہلے سر سید احمد خان نے اس امر پر اصرار کیا کہ مسلمان قوم کلمہ توحید کی بنیاد پر اپنی مخصوص انفرادیت رکھتی ہے۔ سر سید کے بعد علامہ اقبال نے بھی اسلام یعنی مذہب کو ایک قوت کے طور پر استعمال کرتے ہوئے مسلم ثقافت کی روح اور بنیاد دین کو قرار دیا۔

"The reconstruction of Religious Thought in Islam" کے پانچویں خطبے میں اقبال نے مسلم ثقافت کا منبع وحی کو قرار دیا ہے ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نبیﷺ کی خُدا سے ملاقات کے بعد واپسی ''تخلیقی ہوتی ہے وہ جب زمانے کی رو میں لوٹتا ہے تو عالمِ تاریخ میں انسانوں کے لیے اجتماعی طور پر ایک تمدنی انقلاب برپا کر کے نئی دُنیا پیدا کر دیتا ہے۔'' ۵؎ اس کے ساتھ ساتھ وہ ختم نبوت سے ایک بااعتماد انسانی دورِ تہذیب کی ابتداء مراد لیتے ہیں اور بقول جیلانی کامران اس دینی نظریے کی مدد سے جو تہذیبی رویہ پیدا ہوتا ہے اُس تہذیبی رویے کا انسان فکرِ اقبال میں مسلمان کا اسم اختیار کرتا ہے۔ ۶؎ اقبال اس بات کے قائل ہیں کہ نوعِ انسان کے موجودہ دورِ ارتقاء میں اب اس کی ضرورت نہیں رہی کہ ہر چھوٹی بڑی بات کے لیے ایک معلم ایک قائد پر بھروسہ کریں اور خود نہ سوچیں۔ کیونکہ قرآن بالتکرار یہ تلقین کرتا ہے کہ تدبر اور تفکر کرو اور مشاہدہ انفس و آفاق سے اپنی زندگی کے لیے ہدایت حاصل کرو۔ قرآن فطرت کے مشاہدے پر زور دیتا ہے اور فطرت کے مشاہدے سے جو نتائج سامنے آتے ہیں وہ ثقافت کو اساس فراہم کرتے ہیں۔ مسلم ثقافت کائنات کا حرکی تصور پیش کرتی ہے جامد نہیں۔ اقبال نے اجتہاد اور اجماع کو بھی اسلامی ثقافت کا اہم عنصر قرار دیا ہے اور اجتہاد کو اصولِ حرکت کہتے اور اسے اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں اس لیے کہ بقول اقبال:

> "As a cultural movement Islam rejects the old static view of the universe and reaches a dynamic view." ۷؎

وہ اپنے خطبے میں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلامی ثقافت میں نے یونانی آئیڈیلزم کا اثر قبول کیا اور یونانی فلسفہ میں تبدیلی کا عمل ناقص قرار دیا جاتا ہے اور اگر مسلمان تغیر و تبدل کو قبول نہیں کرتے ہیں تو یہ قرآنی تعلیمات کے منافی ہے اس لیے ہمیں اسلامی ثقافت کی روح کو قرآنی تعلیمات میں تلاش کرنا چاہیے۔ قرآن کے مطابق کائنات اپنی اصل میں حرکی ہے، متناہی ہے، توسیع کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے بقول خلیفہ عبدالحکیم ''اقبال کسی بھی ایسے نظریے یا فلسفے کو ماننے کو تیار نہیں جو تغیر کو حرکت کو بے حقیقت بنا دے۔'' ۸؎

قوموں کے عروج و زوال کے بارے میں اقبال کا کہنا ہے کہ قوموں کا عروج و زوال اجتماعی ہوتا ہے تاریخ افراد کو الگ الگ حیثیت سے نہیں جانچتی ہے۔ قومیں بحیثیت مجموعی ابھرتی اور گرتی ہیں۔ لیکن وحدت اسلامی کا یہ تصور مغربی تہذیب و تمدن میں نہیں ملتا ہے۔ اقبال ابنِ خلدون کے فلسفۂ تاریخ کو اس لیے سراہتے ہیں کہ وہ زمانے کو ایک ایک ارتقائی اور خلاقی قوت جانتا ہے۔ وہ اس بات کو نہیں مانتا کہ اقوام کسی ازلی تقدیر کی طاقت کے سامنے مجبور ہیں اور معینہ رستے پر چل رہی ہیں۔ اقبال بھی تقلید کو خودکُشی کے برابر قرار دیتے ہیں اور طرزِ کُہن پر اُڑنے یا آئینِ نو سے ڈرنے کو ناپسند فرماتے ہیں۔

اقبال کا تصورِ ثقافت ہمیشہ سے موضوع بحث رہا ہے لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ آخر اقبال نے مغربی تہذیب کی

مخالفت کرتے ہوئے ایک مجتہد کا کردار کیوں ادا کیا حالانکہ وہ ہمیشہ محتاط لہجے میں گفتگو کے قائل تھے۔ دراصل وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر مسلمان کشور کشائی کی دُھن میں دُنیا میں پھیلتے چلے جانے کی بجائے کسی ایک خطہ زمین کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیتے تو یوں زوال کا شکار نہ ہوتے۔ کیونکہ ہوا بھی یہی کہ اُن کے دیوانہ وار آگے ہی آگے بڑھتے چلے جانے نے انہیں شدید متاثر کیا اور وہ رفتہ رفتہ سیاسی نظریات کو دورِ جہالت کے سانچے میں ڈھالتے گئے۔ اسلام میں ملائیت اور خاندانی بادشاہت کی کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن اسلام کے عروج کے ابتدائی دور ہی میں ان دونوں عناصر نے اسلامی روح کو مجروح کرنا شروع کر دیا۔ اسلام کا معاشرتی اور ثقافتی پہلو عدل واحسان اور اخوت و مساوات کا پیغام ہے اور یہی پہلو خالص انسانی سطح پر معاشرے کی بنیاد ڈالتا ہے اور مہم جوئی کے شوق نے اس پہلو کو مجروح کر دیا۔ جس کا خمیازہ آج بھی ملت اسلامیہ کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

جس دور میں اقبال نظریاتی تبدیلی کے عمل سے گزرتے ہوئے جذبہ قومیت سے ملت اسلامیہ اور پھر ملت اسلامیہ سے وطنیت کی طرف مراجعت کر رہے تھے اُسی دور میں پورا اسلامی بلاک یورپ کی عیاری کا شکار ہو رہا تھا اقبال کی مراجعت کو آپ ملت اسلامیہ کی خدمت کا ایک انداز قرار دے سکتے ہیں۔ وہ بظاہر تو ہندوستان کے مسلمانوں کے رہبر و رہنما کی حیثیت سے سامنے آ رہے تھے لیکن درحقیقت وہ پوری ملتِ اسلامیہ کو سنبھال رہے تھے۔

تاریخ کا سرسری سا جائزہ لیں تو اس دور میں ۱۹۰۷ء میں روس اور برطانیہ نے ایران کا بٹوارہ کر کے یہاں اپنے حلقۂ اثر قائم کر لیے، دوسری طرف ۱۹۱۱ء میں بنگال کی تقسیم کو ہندوؤں کی خوشنودی کے لیے منسوخ کر دیا گیا، اسی سال اٹلی نے طرابلس (لیبیا) پر حملہ کر دیا، مصر پر برطانیہ کا قبضہ ہو گیا، ۱۹۱۲ء میں بلقان کی متحدہ فوجوں نے ترکی کے یورپی علاقے پر حملہ کر دیا۔ ۱۹۱۴ء میں جنگِ عظیم کا آغاز ہو گیا، پھر ۱۹۱۸ء میں جنگِ عظیم تو ختم ہو گئی لیکن کئی ایک اسلامی ممالک کو خاک و خون میں نہلا گئی۔ فرنگی نے مکاری سے کام لیتے ہوئے عرب اور ترکوں کو آپس میں لڑا دیا اور یوں ۱۸۷۰ء سے ۱۹۱۸ء تک پورا اسلامی بلاک یورپ کے قبضے میں آ گیا۔ دوسری طرف ہندوستان میں فرنگی اپنی چالیں چل رہے تھے وہ فرنگی جن سے سرسید نے مصلحت اور دوستی کا درس دیا تھا وہ ہندوستانیوں خصوصاً مسلمانوں کی جان کے دشمن ہو رہے تھے۔ اقبال نے پوری شدت سے یورپ اور یورپی تہذیب کو تنقید کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ مرزا ادیب کا خیال ہے کہ اقبال نے مغربی تہذیب کے بارے میں جو مخالفانہ رویہ اختیار کیا اُس کے متعدد محرکات اور عوامل تھے کچھ سیاسی نوعیت کے، کچھ سماجی نوعیت کے اور کچھ نظریاتی نوعیت کے۔۹ بہرحال کچھ بھی ہو اقبال ایک طرف مغربی تہذیب کو ہدفِ ملامت بنائے ہوئے تھے تو دوسری طرف وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی الگ شناخت کا سوال بھی اُٹھا رہے تھے کیونکہ اب اسلامی نقطہ نگاہ سے مسلمانوں کے لیے ثقافتی مسئلہ اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ اس کے علاوہ اسلامی تصوف کی جس عظیم تحریک کے زیر اثر ہندو پاک کی اکثریت نے اسلام قبول کیا تھا اُس نے غلامی، ذات پات اور وراثتی پیشوں کے بندھن توڑ کر احترامِ نفس اور احترامِ آدمیت کی بنیاد ڈالی تھی جبکہ مغرب اقبال کے نزدیک صرف آدمیت کا قائل تھا۔

اس ساری صورتحال کے تناظر میں دیکھا جائے تو اقبال مسلمانوں کو اسلامی ثقافت کا ایک ایسا حرکی اور ارتقائی تصور دینا چاہتے تھے جو مغرب کی ملوکیت کے خلاف لوگوں کو حرکت میں لا سکے۔ اقبال نے اپنے تصورِ تہذیب میں اسی لیے اجتہاد پر زور دیا ہے کہ یہ حرکت کا استعارہ ہے۔ اقبال نے ہمیشہ ملا کی مخالفت کی کیونکہ ملا کے لیے اجتہاد کے بجائے تقلید آسان راستہ ہے وہ طرزِ کُہن پر اُڑ جانے والی مجہول اور جامد ہستی ہے اور اقبال اسی لیے فقیہہ شہر اور ملا سے وحشت زدہ رہے۔

اقبال اسلامی تصورات کو مسلمانوں کے لیے ایک ایسا ابدی گھر قرار دیتے ہیں جہاں تمام مسلمان ایک ہیں اُن کی روایت اُن کے معتقدات ایک ہیں۔ وہ شدت سے اس بات کے خواہش مند تھے کہ اسلام کی سماجی اور ثقافتی تعلیم کا عملی مظاہرہ ہوتا کہ دُنیا اسلام کی اصل خوبصورتی کا نظارہ کر سکے۔ انہوں نے مسلمانوں کے لیے ایک الگ ملک کا مطالبہ بھی اسی لیے کیا تھا کہ پاکستان میں اسلام اس جمود کو توڑ دے گا جو اس کی شریعت، تعلیم اور ثقافت پر طاری ہے۔

لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم اقبال کی تعلیمات کی بات کرتے ہیں اس کے خطبات کو زیرِ بحث لاتے ہیں، اُس نے ہماری ثقافتی پہچان کا مسئلہ اُٹھایا اُس پر اسے سراہتے ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ ہم نے ایک آزاد ریاست بھی حاصل کر لی ہے کہ جہاں ہمیں نام نہاد مذہبی اور سیاسی آزادی حاصل ہے لیکن یہاں نا تو اجتہاد کی گنجائش اور نہ ہی اجماع کی۔ اسلام کے اعلیٰ تخیل اور عمدہ اصولوں پر وہی ملا قابض ہے جس سے اقبال کو وحشت ہوتی تھی۔ بقول ممتاز حسین اسلام نے احترامِ آدمی، احترام انسانیت اور اخوت و مساوات کے رشتوں کی بنیاد ڈالی تھی اور اسی احترامِ آدمیت کو اقبال نے اصل تہذیب قرار دیا تھا۔ ''اصل تہذیب احترامِ آدمی است'' ......لیکن اس اصل تہذیب کا وجود ہمارے یہاں طویل عرصے سے عنقا ہے۔[۱۰] اور اسلام کی سماجی اور ثقافتی تعلیم کی مظہر اخلاقی اور سماجی قدریں ایک مدت سے ختم ہو چکی ہیں۔

حواشی:

۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، پاکستانی کلچر، طبع پنجم، کراچی: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۲ء، ص: ۴۲

۲۔ Britannnica Program File 2001

۳۔ زوار حسین، تہذیب، ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۱

۴۔ سبطِ حسن، پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء، کراچی: مکتبہ دانیال، ۱۹۸۳ء، ص: ۱۷

۵۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، خطباتِ اقبال، تسہیل و تفہیم، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۴۸

۶۔ جیلانی کامران، ہمارا ادبی اور فکری سفر، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۸۷ء، ص: ۱۲۲

۷۔ Allama Muhammad Iqbal, The Recnstruction of Relious Thought in Islam, 1965, Lahore: Sheikh Muhammad Ashraf Book Depot, p. 146

۸۔ خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، فکرِ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، س۔ن، ص: ۷۵۵

۹۔ مرزا ادیب، مطالعۂ اقبال کے چند پہلو، ۱۹۸۵ء، لاہور: بزمِ اقبال، ص: ۱۷۰

۱۰۔ ممتاز حسین، ادب اور شعور، ۱۹۹۲ء، کراچی: ادارہ نقدِ ادب، ص: ۲۰۱